حضرت میرزا مظہر جانجاناں شہید رح

از جناب عبدالرزاق صاحب قریشی؛

نوٹ جن بزرگوں کی مساعیٔ جمیلہ سے ہندوستان میں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کو فروغ حاصل ہوا اُن میں حضرت اقدس مرزا جانِ جاناں شہید رح کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ نواب نجیب الدولہ مرحوم کو حضرت مرزا صاحب رح سے بڑی عقیدت تھی۔ اور اُن کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا جذبہ حضرت موصوف ہی کی توجہ سے پیدا ہوا تھا۔ حضرت شاہ غلام علی رح جن کا ذکر سر سید مرحوم نے آثار الصنادید میں انتہائی عقیدت کے ساتھ کیا ہے، حضرت مرزا صاحب رح کے خلیفۂ اعظم اور جانشین تھے، ان کی خانقاہ میں بیک وقت پانچ پانچ سو افراد زیرِ تربیت رہتے تھے۔ اور پاکستان میں جس قدر نقشبندی بزرگ آج دین کی خدمت کر رہے ہیں ان سب کا سلسلہ حضرت شاہ صاحب رح ہی پر منتہی ہوتا ہے۔ اس عقیدت کی بنا پر جو مجھے حضرت مرزا صاحب رح کی ذات بابرکات سے ہے۔ ان کے سوانحِ حیات رسالہ معارف بابت ۱۹۴۲ء سے نقل کر کے زینتِ اوراق بناتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور ناظرین کو حضرت صاحب موصوف کے فیوضاتِ باطنی سے بہرہ وافر عطا فرمائے۔

مدیر

جانِ جاناں نام، مظہر تخلص، شمس الدین حبیب اللہ لقب، علوی نسب، نقشبندی مشرب،

مرزا صاحب کا سلسلۂ نسب ۲۸ واسطوں سے محمد بن حنفیہ کے توسط سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تک پہنچتا ہے

مرزا صاحب کے بڑے دادا مرزا محمد امان (بابا خاں کے پوتے) کی شادی اکبر بادشاہ کی لڑکی سے ہوئی تھی[۱] اس طرح ان کے دادا مرزا عبدالسبحان تیموری خاندان کے نواسہ ہوتے ہیں،

مرزا عبدالسبحان منصبِ شاہی پر فائز تھے[۲]۔ وہ مرتبہ عالی پر فائز ہونے کے باوجود بہت خداترس و خداپرست تھے، طریقۂ چشتیہ میں لوگوں کو مرید کرتے تھے۔ اُن کی ماتحتی میں جتنے سپاہی سوار اور خدمتگار تھے سب تہجد گذار تھے[۳]

مرزا صاحب کی دادی، وزیر الممالک آصف الدولہ نواب اسد خاں[۴] عالمگیر شاہی کی بیٹی تھیں[۵]، وہ شیعہ تھیں لیکن شوہر کے

۱ے ۲ے ۳ے معمولاتِ مظہریہ ص ۱۴ ۴ے محمد ابراہیم نام پسر ذوالفقار خاں "قرامانلوست" نواسۂ صادق خاں میر بخشی و خویش یمین الدولہ آصف خاں "اسد خاں" خطاب شاہجہانی دربار سے ملا تھا۔ ترقی کرتے کرتے عہد اورنگ زیب میں منصبِ وزارت پر فائز ہوئے (مفصل حالات کے لئے دیکھئے مآثر الامراء جلد اول ۵ے خزانِ انعامیہ (نسخہ دار المصنفین) مقامات مظہریہ، خزینۃ الاصفیا (معمولاتِ مظہریہ میں خالہ زاد بہن لکھا ہے صاحبان آبِ حیات وگل رعنا کا بھی یہی بیان ہے، گمان غالب ہے کہ ان دونوں حضرات کے سامنے معمولات ہی کا نسخہ تھا "مقامات مظہری" جس کے مصنف صاحبِ معمولات کی طرح مرزا صاحب کے مریدوں میں ہیں معمولات کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی گئی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صاحبِ مقامات نے معمولات کے اس بیان کو صحیح تسلیم نہیں کیا)

فیضِ صحبت سے سُنّی ہو گئی تھیں وہ اس قدر عبادت گذار تھیں اور اُن کی صفائی باطن اتنی بڑھ گئی تھی کہ تسبیحِ جمادات سُن سکتی تھیں وہ عورتوں کو مثنوی مولانا روم کا درس بھی دیتی تھیں[1]

مرزا صاحب کی والدہ بیجا پور کے شاہی خاندان سے تھیں وہ بہت پارسا نیک اور عبادت گذار تھیں اور جود و سخا میں تو اپنی نظیر نہیں رکھتی تھیں[2]

مرزا جان ؛ حضرت مرزا کے والد بزرگوار کا نام مرزا محمد جان تھا وہ اکثر علوم میں ماہر تھے شعر و شاعری سے بھی لگاؤ تھا، جانی تخلص کرتے تھے حضرت شاہ عبد الرحمٰن قادری کے مُرید تھے[3]

مرزا جان ابتداءً سرکاری ملازموں میں تھے، لیکن دُنیاوی بادشاہ کا دربار انہیں کچھ پسند نہ آیا بادشاہ بادشاہاں کے دربار میں عالی منصب حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس لئے اپنے عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔ صاحب گلشن بیخار کا بیان ہے کہ مرزا صاحب کسی سبب سے اورنگزیب سے ناراض ہو کر اپنے عہدہ سے مستعفی ہو گئے تھے، لیکن اس بیان کی تصدیق اور کسی ذریعہ سے نہیں ہوتی بہر حال یہ یقینی ہے کہ مرزا جان نے اپنے عہدہ سے مستعفی ہو کر فقیری اختیار کر لی اور اپنا سارا مال و دولت راہِ خدا میں فقرا او مساکین میں تقسیم کر دیا۔ پچیس ہزار روپے لڑکی کے نکاح کے لئے رکھ چھوڑے تھے۔ ایک دن سُنا کہ ایک دوست مالی مشکلات میں آن پڑے ہیں، پوری رقم اُن کے حوالے کر دی۔[4]

مرزا صاحب میں توکل بہت تھا۔ ایک بار گھر میں کدو کا بیج بو دیا تھا۔ لونڈی نے کہا آپ نے توکل کا دعویٰ رکھتے ہوئے بھی گھر میں کدو کی بیل لگائی ہے۔ ممکن ہے فاقہ کی حالت میں یہ خیال گذرے کہ اس کے پھل اور پتوں سے پیٹ بھر لوں مرزا صاحب نے فوراً بیل کو اکھڑوا دیا[5]۔ مرزا جان نے ۱۱۳۰ھ میں انتقال کیا۔

میرزا جانجاناں وجہ تسمیہ ؛ مولانا محمد حسین آزاد۔ آب حیات میں لکھتے ہیں :- آئین سلطنت تھا کہ اُمراء کے ہاں اولاد ہو تو حضور میں عرض کریں بادشاہ خود نام رکھیں یا پیش کردہ ناموں میں سے پسند کر دیں۔ کبھی کو خود بھی بیٹا بیٹی کر لیتے تھے، یہ امور طرفین کے دلوں میں اتحاد اور محبت پیدا کرتے تھے۔ ان کے لئے ایک وقت پر سند ترقی ہوتے تھے اور بادشاہوں کو اُن سے وفاداری اور جانثاری کی اُمیدیں ہوتی تھیں"

چونکہ حضرت میرزا کے والد بزرگوار بھی امراء میں سے تھے (گو حضرت کی پیدائش کے وقت وہ مستعفی ہو چکے تھے) اس لئے جب حضرت میرزا پیدا ہوئے تو اورنگ زیب کو خبر بھیجی گئی۔ اس نے کہا چونکہ بیٹا باپ کی جان ہوتا ہے۔ اور اس بچہ کے باپ کا نام مرزا جان ہے۔ اس لئے اس کا نام ہم نے جانِ جان رکھا۔ لوگوں نے بڑھا کر جانِ جاں کو جانجاناں بنا دیا۔ اور یہ تغیر خود مرزا صاحب کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا۔ چنانچہ خود مرزا نے اپنے مکاتیب میں ہمیشہ جانجاناں لکھا ہے۔

سال ولادت ؛ حضرت میرزا کے والد بزرگوار جب اپنے عہدہ سے مستعفی ہو کر دکن سے آگرہ آ رہے تھے۔ تو حضرت میرزا کالا باغ میں جو حدودِ مالوہ میں واقع ہے۔ ۱۱ رمضان المبارک، شبِ جمعہ، وقت فجر پیدا ہوئے۔

مرزا صاحب کے والد کا انتقال ۱۱۳۰ھ میں ہوتا ہے۔ اور مرزا صاحب کی عمر اس وقت سولہ سال کی ہے تمام تذکرے

۱؎ ۲؎ معمولاتِ مظہریہ ص۱۴، ۳؎ شاہ صاحب کا مزار شاہجہان آباد میں لاہوری دروازہ اور کابلی دروازہ کے درمیان واقع ہے۔ اس محلہ کو مسجد پری کہتے تھے۔ (مقاماتِ مظہری فٹ نوٹ ص۱۶) ۴؎ ۵؎ مقاماتِ مظہری ص۱۴

مرزا صاحب کی عمر کے بارے میں متفق اللفظ ہیں، لہٰذا اگر اس بیان کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو مرزا صاحب کا سال پیدائش ۱۱۱۳ھ زیادہ قرین صحت معلوم ہوتا ہے۔

وطن: جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں، مرزا صاحب کے آباؤ اجداد در اصل طائف کے رہنے والے تھے، وہاں سے اُن کے جد بزرگوار امیر کمال الدین ترکستان چلے گئے، اور تین چار پشتیں وہیں گزر گئیں، پھر امیر بابا خاں اور مجنوں خاں ہمایوں کے ساتھ ہندوستان آئے، پہلے تو یقیناً اُنہوں نے دہلی کو اپنا مسکن بنایا ہو گا۔ لیکن جب اکبر نے آگرہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا۔ تو قیاس کہتا ہے کہ مرزا محمد امان (داماد اکبر شاہ) بھی آگرہ اُٹھ آئے ہوں گے، بہر حال یہ یقینی ہے کہ مرزا صاحب کے والد مرزا جان کا مسکن شہر آگرہ تھا چنانچہ مرزا صاحب کی نشو و نما اور ابتدائی تعلیم و تربیت اکبر آباد ہی میں ہوئی۔ لیکن خود مرزا صاحب نے دہلی کو اپنا مسکن بنایا[۱] اور یہیں اُن کی تربیت باطنی ہوئی۔ دہلی میں مرزا صاحب کی خانقاہ جامع مسجد کے قریب کوچۂ امام میں تھی[۲]

تعلیم و تربیت: مولانا محمد حسین آزاد، آب حیات میں مرزا صاحب کی تعلیم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:-

"مرزا صاحب کی تعلیم عالمانہ نہ تھی، مگر حدیث با اصول پڑھا تھا۔"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب کی تعلیم ہر حیثیت سے نہایت اچھے پیمانہ پر ہوئی تھی، صاحب خزینۃ الاصفیاء کا بیان ہے کہ "از ہر فن و علم ظاہری بہرۂ کامل حاصل نمود۔"

مرزا صاحب بہت چھوٹے تھے کہ اسی وقت سے ان کے والد نے ان کی تعلیم کا اہتمام کیا اور ہمیشہ ان کو تاکید فرماتے کہ وقت اور عمر کا کوئی نعم البدل نہیں۔ اس کو ضائع نہ کرنا چاہئے[۳]۔ اس سلسلہ میں مرزا صاحب کے ایک معاصر تذکرہ نویس کا بیان بھی سننے کے قابل ہے۔ احمد علی سندیلوی اپنے "تذکرۂ مخزن الغرائب" میں لکھتے ہیں کہ "در صغر سن صرف، و نحو، پارہ از معقول و حدیث و تفسیر و عروض و قافیہ تلخیص المفتاح خواندہ متوجہ بشعر گوئی شد۔"

ایک دوسرے معاصر تذکرہ نویس فتح علی گردیزی (صاحب "تذکرۂ ریختہ گویاں") کا بیان ہے۔ "از آنجا کہ علم فقہ و حدیث خطی وافر دارد و از کتب سیر و تواریخ بہرۂ متکاثر۔"

مرزا صاحب نے فارسی کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی، کلام اللہ قاری حافظ عبدالرسول دہلوی تلمیذ شیخ القراء شیخ عبدالخالق سے پڑھا اور علم تجوید و قرأت کی سند بھی انہی سے لی، والد کی وفات کے بعد علم حدیث و تفسیر اور دوسری کتب مبسوطہ حضرت حاجی محمد افضل سیالکوٹی تلمیذ شیخ المحدثین شیخ عبداللہ بن سالم مکی سے پڑھیں[۴]

درسی اور متداول علوم کے علاوہ آداب بادشاہی، فن سپہ گری اور دوسرے متداول فنون کی بھی مرزا صاحب کو تعلیم دی گئی تھی، اور انہوں نے ہر ہنر میں وہ کمال پیدا کیا تھا کہ لوگ ان سے اپنے اپنے ہنر کی داد مانگتے اور اُن کو اپنا استاد تسلیم کرتے تھے[۵] استعمال اسلحہ میں وہ کمال پیدا کیا تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر بیس آدمی تلوار سے مجھ پر حملہ کریں اور میرے ہاتھ میں صرف ایک لکڑی ہو تو انشاء اللہ کوئی مجھے زخمی نہیں کر سکتا[۶]

۱؎ گلشن بے خار ص۲۶۰ ۲؎ عمدہ منتخبہ بحوالہ اردو کٹیلاگ ۳؎ مقامات ص۱۵ ۴؎ معمولات ص۱۲ ۵؎ معمولات ص۱۵

ایک مرتبہ مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے، جب سلام پھیرا تو اندھیرے کی تاریکی میں کسی شخص نے ان پر خنجر کا وار کیا۔ اتفاق سے بجلی چمکی اور انہوں نے اُس کی چمک میں خنجر کو دیکھ لیا اور اس کے ہاتھ سے چھین کر پھر اس کو دے دیا۔ اس نے سات بار حملہ کیا اور ساتوں بار مرزا صاحب نے خنجر اس کے ہاتھ سے چھین لیا، آخر وہ قدموں پر گر پڑا۔ اور معافی کا خواستگار ہوا۔

ایک بار گھوڑے پر سوار کہیں جا رہے تھے کہ راستہ میں سامنے سے ایک مست ہاتھی آ رہا تھا۔ ہاتھی نے قریب پہنچ کر ان کو سونڈ میں لپیٹ لیا، انہوں نے میان سے خنجر نکالا، اور ہاتھی کی سونڈ پر اس زور سے مارا کہ اُس نے بیتاب ہو کر ان کو چھوڑ دیا اور وہ سلامت بچ آئے۔

مرزا صاحب کپڑا کاٹنا خوب جانتے تھے۔ چنانچہ صاحب مقامات کا بیان ہے "تقطیع سراویل ایشاں را بہ پنجاہ طرز می آید۔"

تربیت باطنی: مرزا صاحب کے والد مرزا جان نے ۱۱۳۰ھ میں وفات پائی۔ اُس وقت مرزا صاحب کی عمر سولہ سال تھی۔ مصحفی عقد ثریا میں لکھتے ہیں "بعد فوتِ والد ماجد خود مال و اسباب فراوان کہ بدستش افتاد بود بذلِ مجالس و صحبتِ یاران نمود و در ہیجدہ سالگی ہمہ را پاک فروختہ کلاہِ درویشی بر سر گذاشت۔"

مرزا صاحب نے والد کی وفات کے بعد دو سال دُنیا طلبی میں گذارے اور اس بات کی کوشش کی کہ دربار میں کوئی منصب مل جائے۔ اُن کے والد کو انتقال کئے ہوئے کوئی دو برس ہو چکے تھے۔ کہ ایک دن کچھ لوگ سفارش کی غرض سے اُن کو بادشاہ (فرخ سیر) کی خدمت میں لے گئے۔ اتفاق سے بادشاہ کو زکام ہو گیا تھا۔ اور وہ اس دن دربار میں نہ آ سکا۔ اس لئے مرزا صاحب کو مایوس وناکام لوٹنا پڑا۔ اُسی رات خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ کے مزار پر گئے ہیں صاحب مزار قبر سے باہر آئے اور اپنی ٹوپی (طاقی) ان کے سر پر رکھی۔ اُس خواب کے بعد مرزا صاحب نے دُنیا طلبی کا خیال چھوڑ دیا۔

ایک دن اپنے گھر پر بیٹھے تھے، اسباب طرب بھی تھا اور مجمع احباب بھی۔ اتفاقاً کسی نے حضرت سید نور محمد بدایونی کا ذکر کر دیا، اور اُن کے اوصاف حمیدہ بیان کئے، نہ جانے مرزا صاحب کے دل میں کیا سمائی کہ تمام دوستوں کو چھوڑ کر اُسی وقت آستان بوسی کے لئے روانہ ہو گئے۔ حضرت سید نے استخارہ مسنونہ کے بعد ان کی صلاحیت و استعداد کے مطابق اُن کو ذکر طریقہ تعلیم بتا یا۔ ان سے کہا کہ آنکھیں بند کرو اور خود توجہ دینی شروع کی، چنانچہ ایک ہی توجہ میں لطائف خمسہ را ذاکر کردہ رخصت نمودند۔

یہ بتا دینا ضروری ہے کہ مرزا صاحب کا حضرت سید نور محمد بدایونی کی خدمت میں حاضر ہونا محض ایک اتفاقی بات نہ تھی، بلکہ عشق ایزدی ان کے خمیر میں موجود تھا۔ اور بچپن ہی سے ان کے والد نے ہمیشہ ان کے کانوں میں اسی قسم کی باتیں ڈالی تھیں، صاحب معمولات مظہریہ کے الفاظ میں مرزا جان مرزا جانجاناں کو ہمیشہ یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"ہر کہ دلش بداغ برشتہ نمی شود خاشاک طبیعت او سوختہ و پاک نمی گردد و زمین طینت او صلاحیت تخم محبت الٰہی ندارد زیرا کہ عشق مجازی زینۂ عشق حقیقت پس ما دامیکہ رشتۂ عشق مجازی طوق گلو کردہ، در کوچہ و بازار رسوا و خوار نسازید روح فقیر از شما راضی نخواہد شد اما غیر از وسیلہ امری دریں راہ منظور نباشد، چوں بوسیلۂ ایں دولت راہی بمطلب کشادہ گردد جانبازی در راہ مولیٰ کہ پادشاہ پادشاہان معشوقانِ اعلیٰ و ادنیٰ است اختیار باید نمود کہ سعادت جاودانی مربوط بآنست"

آشنائی در حقیقت کیش و آئینِ مردانست ... جز واعظم دریں باب جوشش دگر میست

بہر حال ۱۸ سال کی عمر میں مرزا صاحب حضرت سید نور محمد بدایونی کے حلقۂ مریدین میں داخل ہوئے اور طریقۂ نقشبندیہ

پر عمل کرنے لگے، چار سال تک اُن کی خدمت میں رہنے کے بعد ولایت کبریٰ وخرقہ و اجازت مطلقہ حاصل کی،

حضرت سید نور محمد بدایونی نے ۱۱۳۵ھ میں انتقال فرمایا۔ لیکن مرزا صاحب نے اب بھی اس آستانہ کو نہ چھوڑا۔ چھ سال تک ان کے مزار کی مجاوری کی اور لطریق اویسیت کسب ولایت علیا کیا، شیخ علی کثیری شیخ العرب رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت شیخ محمد صدیق سرہندی نبیرہ حضرت مجدد الف ثانی کے خلفائے اجل میں سے تھے، اس بشارت کی شہادت دی تھی؛ حضرت سید نے انتقال کے چھ سال بعد ان کو خواب میں فرمایا کہ "مقصود حق است و آں غیر متناہی لیس عمر متناہی خود را در طلب صرف باید کرد، و مقصود بدست باید آورد"

اس خواب کے بعد مرزا صاحب حضرت حیو کی خدمت میں، جو ان کے شیخ الحدیث تھے پہنچے، اُنہوں نے فرمایا تم نے تو حضرت سید سے علی السبیل البصیرۃ کسب سلوک کیا ہے، اور مجھ میں قوتِ کشفی اتنی نہیں ہے، چنانچہ شیخ حیو سے مرزا صاحب نے صرف کتب احادیث پڑھیں، لیکن خود مرزا صاحب کا بیان ہے کہ اثنائے سبق میں فیض باطن بھی ضرور ان کو پہنچتا تھا۔

اس کے بعد مرزا صاحب، حضرت شاہ گلشن رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لغرض استفادہ حاضر ہوئے، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شاہ صاحب نے اپنے مریدوں کو حضرت محمد زبیر قدس سرہ کے سپرد کر دیا ہے۔ مرزا صاحب ان کی خدمت میں پہنچے، اُنہوں نے فرمایا کہ تم کو حضرت سید سے نسبت صحیحہ مل چکی ہے۔ اسی کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو، اس کے بعد مرزا صاحب حضرت حافظ سعد اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بارہ سال تک اُن سے استفادہ کیا۔

حضرت حافظ سعد اللہ کے انتقال کے بعد جب حضرت شیخ محمد عابد سنامی، سرہند سے شاہجہان آباد آئے تو مرزا صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ تمامی بشارات حضرت سید را مسلم داشتند از ہماں نقطۂ آخر ولایت علیا و آغاز کمالات نبوت کسب مقامات کنانیدند و در عرصۂ ہفت سال بحقیقت صلوٰۃ رسانیدند"

اس کے بعد بطور سیر مرادی" ایک بار پھر ابتدا سے انتہا تک ایک سال کے اندر ان تمام مقامات کو طے کرایا اور خصوصیات مجددیہ میں محبت و محبوبیت، غنیمت کبریٰ وغیرہ کی بشارت دی، اور طریقہ قادریہ چشتیہ، وسہروردیہ کی بھی اجازت دی؛ اس دوران میں اکثر مبتدیان خانقاہ نے حضرت میرزا سے کسب فیض کیا۔ مرزا صاحب حضرت شیخ عابد کی خدمت میں اُن کی وفات ۱۱۶۰ھ تک رہے

مشیخت وارشاد، تقریباً تیس سال تک مشائخ نقشبندیہ و مجددیہ سے کسبِ فیض کرنے کے بعد جب مرزا صاحب خود صاحب کمال ہو گئے، تو مسندِ ارشاد و ہدایت پر بیٹھے اور اپنا سارا وقت طالبان حق کی رہنمائی کے لئے وقف کر دیا۔ اُن کی ساری دلچسپیاں مریدوں اور اُن کی فلاح و بہبود کے لئے وقف تھیں، ۳۵ سال تک خانقاہ مجددیہ کو رونق بخشی، کوئی دن ایسا نہیں جاتا تھا کہ تقریباً سو طالبان حق کو توجہ نہ دیتے رہے ہوں، چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

"در حلقہ ہر دو وقت قریب صد کس حاضر میشوند، حیرانم کہ قوتِ توجہ از کجا می آید" (کلمات طیبات، مکتوب سی و پنجم)

ابتدا میں کچھ دنوں تک درس و تدریس کا بھی سلسلہ رہا، لیکن جب نسبت باطنی نے غلبہ کیا۔ تو یہ شغل ختم ہو گیا۔ اور صرف رشد و ہدایت کا سلسلہ باقی رہا۔ مرزا صاحب کا آفتاب رشد و ہدایت صرف دہلی تک محدود نہ تھا۔ بلکہ اس کی شعاعیں دہلی سے باہر دور دور

علاقوں کو بھی منور کر چکی تھیں، وہ باوجود شکایتِ ضعف پیری دہلی سے باہر دوسرے علاقوں میں خصوصاً روہیلکھنڈ اکثر جایا کرتے تھے چنانچہ ایک مکتوب میں خود فرماتے ہیں کہ

"انشاء اللہ تعالیٰ در ماہ صفر ارادۂ سنبھل وارم کہ از چندیں سال ہر سال اتفاق می افتد میرسم" (مکتوب بست وہفتم)

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں،

"فقیر از سیر امروہہ و مراد آباد فارغ شدہ است و قصد تماشائے شاہجہانپور دارد، انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب می رسد، دو سہ مقام در بریلی کردہ روانہ پیشتر می شود و پنج و شش مقام در شاہجہانپور نمودہ مراجعت بہ سنبھل می نماید بعد ازاں بدہلی می رود، باوجود ضعف پیری ایں حرکتِ عنیف را برخود پسندیدن بر اغراض صحیحۂ اخرویہ است کہ خدا میداند اشتیاق بقدر اشتیاق صاحبان است" (مکتوب پنجاہ و دوم)

مرزا صاحب کے مریدوں میں روہیلوں کی تعداد نسبتۂ زیادہ تھی، چنانچہ خود فرماتے ہیں،

"ہجوم روہیلہ ہا برائے اخذ طریقہ بحدیست کہ تمام روز فرصت نیست" (مکتوب ہفتاد و چہارم)

اسی مکتوب میں مندرجہ ذیل عبارت بھی ملتی ہے، جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے حلقۂ مریدین میں روہیلوں کی تعداد زیادہ تھی۔ لکھتے ہیں،

"مردم از قوم روہیلہ اکثر واز مردم ہندی کمتر اخذ طریقہ علیہ نمودند و نمودہ متاثر گردیدند۔"

غالباً یہی وجہ ہے کہ جب دہلی کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جارہی تھی۔ تو مرزا صاحب کے دل میں ایک مرتبہ یہ خیال پیدا ہوا کہ دہلی چھوڑ کر اور کہیں اپنا مسکن بنائیں، چنانچہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں،

"بجذب قسمت و جاذبۂ احباب فقیر از دہلی بسنبھل رسید و امروہہ و مراد آباد راہم دید تا بانتخاب بپردازد کہ رختِ اقامت در کجا اندازد و متعلقان را طلبیدہ نگاہ دارد کہ از تشویشات ہر روزۂ دہلی تنگ آمدہ ام ... مردم سنبھل و مراد آباد و امروہہ کہ سہ بلاد سماحت نمودند اینجا باید بود جاذبۂ و حقوق نواب ارشاد خاں بہادر سلسلہ را بہ نگذاشت کہ قصد جائے دیگر کنم و طالبان طریقہ نیز دریں شہر بسیار اند عزم اقامت نمودہ آدم برائے طلب متعلقان فرستادم، آنہا عذر ہائے مسموع نوشتند، ناچار بمراجعت دہلی اتفاق افتاد۔" (مکتوب چہلم)

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ مرزا صاحب تقریباً سو آدمیوں کو ہر روز توجہ دیتے تھے۔ ان کے ایک اور مکتوب سے پتہ چلتا ہے۔ کہ مریدان کی بہت کثرت تھی، فرماتے ہیں:-

"میر مبین خاں را کہ از مقامات مصطلحہ گذاشتہ واجازت مطلقہ یافتہ و در توجہ گرمی بسیار دارند و اتفاقاً دریں ایام از شہر برائے دیدن فقیر رسیدہ بودند، بجائے خود دریں بلاد گذاشتہ ام، مردم از صحبت ایں بزرگ زادہ بسیار فیض می گیرند، وخیلی رجوع کردہ اند، اما کار یک کس نیست کہ از عہدۂ ایں قافلہ بر آید، بخاطر دارم کہ شمارا ہم طلبیدہ بعض شہر را بہ شما و بعض را بہ میر مبین خاں تفویض نمایم۔" (مکتوب ہفتاد و چہارم)

مولوی ثناء اللہ سنبھلی کو ایک خط میں لکھتے ہیں "شمارا آنجا رفتہ جائے فقیر گرم سازید کہ در آں ضلع عالمی فہمیدہ درویشی صاحب نسبت نیست۔" (مکتوب بست و ہشتم)

ارشاد و ہدایت کا یہ سلسلہ بذریعہ مکاتیب بھی جاری رہتا تھا۔ ایک مرید کو تنبیہہ کرتے ہیں "فقیر در معاملہ معلوم کردم کہ والدۂ شما

باطن ناخوش اند، ناخوشی والدہ موجب خسارت دنیا و آخرت است۔" (مکتوب سی و ہشتم)

ایک دوسرے مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

"تا رسیدن فقیر یاران طریقہ کہ در پیلی بھیت اند بخدمت مولوی عبدالرزاق کہ بظاہر و باطن لیاقت ارشاد و تعلیم طریقہ دارند رجوع نمایند و صحبت ایشاں را غنیمت دانند، عزیزان دیگر کہ از فقیر استفادہ کردہ اند و اجازت یافتہ صحبت آنہا ہم خالی از فائدہ نیست۔"

ایک مرید کو یوں نصیحت فرماتے ہیں "باید بہ خود وار بظاہر متقید بشرع و در باطن مشغول بذکر طریقہ باشد کہ فلاح دوجہاں دریں منحصر است۔" (مکتوب سی و ہفتم)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو تنبیہ فرماتے ہیں "برادر من اعجب کاریست کہ ہر واحد از مردم پانی پت بہ سر شکایت شما می آید معلوم نیست چہ عمل از شما واقع میشود اگر راستی و دیانت شما باعث آزار مردم است اناں راستی بگذرید، برائے حفظ حرمت بتاویل ہم خاطر مردم را مرعی دارید کہ طریقہ پیران مرتبت بدنام میشود برائے خاطر لئیماں دیگراں را آزردہ کردن و خود را بدنام ساختن باایں کمالات ظاہری و باطنی دور از عقل است۔" (مکتوب ہفتاد و ہفتم)

مریدوں کی تربیت باطنی کے علاوہ جہاں تک ہو سکتا مرزا صاحب ان کے دنیاوی امور میں بھی پیروی و کوشش سے دریغ نہ کرتے لیکن یہ سفارشیں زیادہ تر اپنے مریدوں اور دوستوں ہی سے کرتے اس لئے کہ مرزا صاحب نے امراء و روسا اور ارباب اقتدار سے کبھی کوئی تعلق نہ رکھا۔

ظفر علیخاں خلف نواب ارشاد خاں بہادر سے مرزا صاحب کو خاص طور پر محبت تھی۔ ان کی تعریف میں لکھتے ہیں "جواہر پارہ الیست کہ قیمت ندارد، فقیر بے سبب گنج قارون نیستم، خوں بہا او را شناختہ ام" ۔ ان کی سفارش کسی سے ان الفاظ میں کرتے ہیں "بخدمت تصدیع میدہم کہ بحق دوستی ہائے قدیم و التفاتی کہ بہ فقیر مبذول داشت شفقتی کہ لائق بزرگیہائے آں مہربان باشد در حق ایں جگر گوشہ کہ مرا عزیز تر از جان است بذل فرمایند (مکتوب چہل و چہارم)

اسی طرح ایک مکتوب میں لالہ برج لال کی سفارش ہے لالہ صاحب تلاش معاش میں دہلی گئے ہیں لالہ صاحب کے متعلق مرزا صاحب نے یہ الفاظ فرمائے ہیں "لالہ برج لال نام جوانی از دوستان مقرری کہ در حسن سلیقہ متصدیگری و صحبت داری بزعم فقیر نظیر ندارد و عمدہ زادہ و عمدہ روزگار بودہ است۔" (مکتوب سی و ششم)

اسی خط میں آگے چل کر ان کو "نسخہ صحیحہ آدمیت" کے لقب سے یاد کرتے ہیں، غرض اسی طرح مختلف مریدوں اور دوستوں کی سفارش اپنے ذی استطاعت دوستوں اور مریدوں سے کرتے ہیں۔

شہادت ، جب مرزا صاحب کا سن ۸۰ سے تجاوز کر گیا۔ تو اکثر ذکر رحلت اور دعائے خیر خاتمہ فرمایا کرتے تھے، اور وظائف عبادات میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اکثر عزیزوں اور دوستوں کو خطوں میں بھی لکھتے، چنانچہ عبدالرزاق کو لکھتے ہیں:

وقت رحلت نزدیک رسیدہ عمر از ہشتاد تجاوز نمودہ و توقع ملاقات نماندہ کہ طاقت سیر و سفر نماندہ (مکتوب پنجاہ و یکم)

صاحبزادہ مرید حسین کو لکھتے ہیں "ملاقاتہا موقوف بقدر است و عمر آخر، اگر در زندگی میسر نشد انشاء اللہ تعالیٰ بشرط ایمان در بہشت بر خوردہائے خاطر خواہ خواہم کرد۔" (مکتوب سی و ہشتم)

میر محمد مبین کے نام لکھتے ہیں کہ "از خبر جانگداز میر سلمان صاحب چہ نویسم، بر من گذشت، بیت

یار رفت۔ ما چو نقش پا بخاک افتادہ ایم | سایہ می گردید کاش ایں نارسا افتادگی

الحمد للہ ما ہم بر بسر راہیم ...... بہر حال ہمہ مصیبتہا میگذرد ما ہم خواہیم گذشت نفسے کہ در یاد خدا گذرد غنیمت است (مکتوب پنجاہ و پنجم)

ایک اور مکتوب میں یوں رقمطراز ہیں،

"والد بزرگوار شما کہ جامع ہزاران مناقب بودند، از انتقال خود ازیں عالم داغے بیادگار گذاشتند ...... ما و ایشان بعلاقہ ہم عمری در وقت قدوم بایں خاکدان بتقدیم و تاخیر چند قدم ہمسفر بودیم۔ حالا وقت رجوع بوطن اصلیست نیز بفاصلۂ چند نفس ہم قافلہ ایم

امروز گراز رفتہ عزیزان خبرے نیست — فرداست دریں بزم زما ہم اثرے نیست (مکتوب پنجاہ و ششم)

صاحب معمولات مظہریہ کا بیان ہے کہ مرزا صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے، کہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ لوگ موت سے کیوں ڈرتے ہیں حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے، کہ روح را مجرد از انقطاع قالب شرف انتقار از خدا و رسول میسر شود"

مرزا صاحب کو ان ارواح طیبات سے ملنے کا بہت شوق تھا۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اکبر رض، حضرت امام حسن، حضرت جنید بغدادی، حضرت خواجہ بہاؤ الدین محمد نقشبندی اور حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہم،

صاحب معمولات لکھتے ہیں، کہ مرزا صاحب کو غایت درجہ اشتیاق تھا، کہ ان کو شرف شہادت حاصل ہو، لیکن پھر بڑی حسرت سے فرماتے کہ ایام جوانی میں جب شہادت حاصل کرنے کا موقع تھا۔ تو میں حاصل ہی نہ کر سکا۔ اب بڑھاپے میں یہ عزت کہاں نصیب ہو سکتی ہے، مگر پھر خود ہی فرماتے کہ خدا سے مایوس نہ ہونا چاہیے، چنانچہ زمانے نے دیکھ لیا کہ خدا نے اُن کو مایوس نہیں کیا۔

، محرم الحرام ۱۱۹۵ھ شب چہار شنبہ کا ذکر ہے، کہ تھوڑی رات گذری تھی کہ کچھ لوگ مکان پر آئے، اور دروازہ پر دستک دی خادم نے جا کر عرض کیا۔ کہ کچھ لوگ زیارت کیلئے آئے ہیں مرزا صاحب یہ سن کر مسکرائے، اور فرمایا کہ بلا لو، ان میں سے تین آدمی اندر آئے، ان میں ایک ایرانی نژاد مغل تھا، مرزا صاحب اپنی خوابگاہ سے نکل کر آئے، اور ان لوگوں کے پاس کھڑے ہوگئے، مغل نے پوچھا "آپ ہی مرزا جانجاناں ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "ہاں" اور اس کے دونوں ساتھیوں نے بھی تائید کی، اس پر اس مغل نے مرزا صاحب پر طپنچہ کا وار کیا۔ اور تینوں فرار ہوگئے، گولی بائیں جانب دل کے پاس لگی، مرزا صاحب نے باوجودیکہ ایسا زخم کاری کھایا، لیکن استقلال طبیعت سے پھر اپنے تئیں کوٹھے کے اوپر پہونچایا۔

جس طرح مرزا صاحب کی تمنا تھی، کہ انہیں شرف شہادت نصیب ہو، اسی طرح اب زخم لگنے کے بعد دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ جس طرح ان کے جد بزرگوار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زخم لگنے کے تیسرے دن وفات پائی تھی، ان کی وفات بھی تین دن بعد ہو، اور خدا نے ان کی یہ خواہش بھی پوری کر دی، مرزا صاحب عالم اضطراب بیقراری میں لوٹتے تھے، اور چپنے ہی یہ اشعار پڑھتے تھے،

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن — خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

سیل خون از سینۂ گرمم روان کرد ست عشق — نازم اعجازش کہ طوفان از تنور آوردہ است

زخم دل مظہر مبادا بہ شود آگاہ باش — کایں جراحت یادگار ناوک مژگان اوست

جائے رحمت اے ہجوم آہ ولے سیلاب اشک — یادگار از من ہمیں مشت غبارے ماندہ است

شگاف دانہا بیشک نشان سبحہ می باشد — دل مجروح میدانم کہ راہی با خدا دارد،

مصحفی نے اس شعر کا بھی اضافہ کیا ہے،

چہ خوش بردے دل تنگ مادرے وا کرد — خدا دراز کند عمر زخم کاری ما،

کہتے ہیں کہ بادشاہ (شاہ عالم) نے مرزا صاحب کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم نے مفسدوں کی تلاش کروائی، لیکن کچھ پتہ نہیں چلتا

آپ کچھ سراغ بتائیں، تاکہ اُن کو تلاش کرکے قرار واقعی سزا دیجائے، مرزا صاحب نے جواب میں کہلا بھیجا کہ "فقراء تو شہید راہِ خدا ہیں مرے ہوؤں کو مارنے کا قصاص کیسا۔ اور اگر اتفاق سے ملزم ہاتھ آجائیں تو اُنہیں میرے پاس بھیجدیا جائے۔ تاکہ دستورِ طریقت کے مطابق اُن سے بدلہ لیا جائے (یعنی اُن کو معاف کر دیا جائے)

اسی طرح ذوالفقار الدولہ نواب نجف خان نے معالجہ کے لئے جراحانِ فرنگ (ڈاکٹر؟) کو خدمت اقدس میں بھیجا مرزا صاحب نے کہلا بھیجا کہ اگر زندگی باقی ہے، تو مسلمان جراحوں کے ہاتھ سے شفا ہوجائے گی۔ اور اگر وقت پورا ہوچکا ہے تو ان کافروں کا احسان مرتے وقت کیوں اٹھاؤں؟

غرض زخم لگنے کے تیسرے روز، المحرم الحرام ۱۱۹۵ھ جمعہ کے دن شام کے وقت اس پیکر اخلاق و گنجینۂ صفات نے اس دنیائے فانی کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔ اور حضرت بی بی صاحبہ کی حویلی میں جو متصل چتلی گور ہے، دفن ہوئے۔ لوح مزار پر خود مرزا صاحب ہی کا یہ شعر کندہ ہے

بلوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے　　　که ایں مقتول را جز بیگناهی نیست تقصیرے

مرزا صاحب کی کتابِ اخلاق کا سب سے نمایاں اور امتیازی باب اِن کی پیروی سنّتِ رسولِ انام ہے، چنانچہ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے اوقات و اعمال کو سنّتِ نبوی کے طریقہ پر تقسیم کیا ہے۔ اور اسی پر عمل کرتا ہوں اگر تم میں سے کوئی میرا کوئی کام خلاف شرع دیکھے تو مجھے متنبہ کر دے، اور یہ بات اِن میں بچپن ہی سے پائی جاتی تھی، چنانچہ ایک دن اپنے والد ماجد کے ساتھ اِن کے مرشد (شاہ عبدالرحمٰن قادری) کی خدمت میں گئے۔ شاہ صاحب ذکر و سماع کی حالت میں تھے، عصر و مغرب کی نماز قضا ہوگئی۔ مرزا صاحب نے اسی وقت دل میں عہد کرلیا کہ اگر والد ان سے بیعت کے لئے کہیں گے، تو نہ کروں گا۔ اوپر جو ہم نے مرزا صاحب کے عادات و اطوار لکھے ہیں۔ ان پر آپ غور کریں۔ تو ان میں سُنّت نبوی کی پیروی سراسر آپ کو نظر آئیگی، ہر شخص کو نیکی سے یاد کرنا۔ ہر شخص سے مہربانی و شفقت اور تواضع اور خندہ پیشانی سے ملنا، نرمی سے گفتگو کرنا، غیبت و بدگوئی سے پرہیز کرنا، کبھی اپنا ذاتی مکان نہ بنوانا، ہمیشہ صرف ایک جوڑا کپڑا رکھنا، غایت پاکیزگی و طہارت یہ تمام اعمال سُنّتِ نبوی کی پیروی نہیں تو اور کیا ہے؟ غرض مرزا صاحب کا ہر کام سُنّتِ نبوی کے مطابق ہوتا تھا۔ اور یہی مسلمان کا بہترین حاصل زندگی ہے۔

ایک مرتبہ محمد شاہ نے اپنے وزیر قمرالدین خان کی زبانی کہلا بھیجا، کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکومت بخشی ہے آپ کا جو کچھ جی چاہے، بطور ہدیہ قبول فرمایئے۔ مرزا صاحب نے جواب دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ جب کُل دُنیا قلیل ہے، اور تم کو اس قلیل کا ساتواں حصہ ملا ہے۔ تو تمہارے پاس ہے ہی کیا، جس کے لئے فقیر کا سر جھکے گا۔

ایک امیر نے حویلی خانقاہ اور فقراء کے لئے وجہ معاش خدمت میں پیش کی، قبول نہیں فرمایا۔

ایک روز سخت سردیوں کے دن میں ایک پرانی چادر کاندھے پر ڈالے ہوئے تھے، نواب خاں فیروز جنگ حاضر مجلس تھے، یہ دیکھ کر آنکھیں پُرنم ہوگئیں، اپنے ایک مصاحب کو مخاطب کرکے کہا، یہ ہماری بدبختی کی دلیل ہے۔ کہ وہ بزرگ جن کی خدمت میں ہم کو ارادت و بندگی حاصل ہے۔ ہمارا تحفہ قبول نہیں فرماتے، حضرت مرزا نے فرمایا "میں نے عہد کیا ہے کہ مالداروں کا تحفہ قبول نہیں کروں گا۔ اب کہ میری زندگی کا آفتاب غروب ہے، اپنے عہد کو کیسے توڑ سکتا ہوں۔"